جدید اردو تحقیق کے کچھ مسائل

(بحوالہ کلاسیکیت، جدیدیت اور معاصر ادبی تقاضے)

رفاقت علی شاہد
شعبۂ اردو، جی سی، یونیورسٹی لاہور

Abstract

In this article the writer discusses the scenario and problems of research in the modern age. It also provides the trends of modern Urdu research. It has also been discussed with reference to classicism modernism and contemporary landscape of literature.

زمانہ اور حالات تغیر پذیر ہوتے ہیں۔ان کے تبدیل ہوتے رویوں کے ساتھ معاصر معاشرتی، علمی اور ادبی رویے بھی تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔زمانے کے تغیر وتبدل سے انسانوں کے ساتھ علوم بھی متاثر ہوتے ہیں لیکن علوم وادبی اضاف ان سے متاثر ہوتے ہیں جن میں ہمہ دم اور ہمہ وقت تبدیل ہونے کی خصوصیت پائی جاتی ہے۔ بعض علوم ایسے بھی ہیں جو وقت کے بدلتے دھاروں کے ساتھ اس قدر تیزی سے متاثر نہیں ہوتے جیسے اور جتنے دیگر علوم متاثر ہوتے ہیں۔مثال کے طور پر قرآنیات، حدیث، تفسیر، تاریخ، ریاضی، جیومیٹری، فلفہ وغیرہ ان کی نشریات زمانے کی تبدیلی کے ساتھ اس قدر تیز رفتار اور کثرت کے ساتھ تبدیل نہیں ہوتیں جیسی معاشرتی و حیاتیاتی علوم، اَدبیات، کچھ اصناف انسانیات، وغیرہ کی۔

اَدبیات یا اَدبی اصناف میں بھی بعض اصناف پر زمانے کی تبدیلی کے اثرات زیادہ ہوتے ہیں اور کچھ پر کم اگر ہم اردو ادبیات کی بات کریں تو تخلیقی ادب کی بعض جدید اصناف عام طور پر ان اثرات کے دائرے میں آتی ہیں۔مثال کے طور پر ناول، افسانہ، انشائیہ، مختصر افسانہ، ناولٹ، غزل اور نظم کی اصناف۔ان کے علاوہ تنقید بھی متاثر ہونے والی ایسی ہی صنف ادب ہے۔جن اصناف ادب پر جدید دور یا بدلتے زمانے کے اثرات بہت کم پڑتے ہیں۔ان میں تحقیق، خودنوشت، یادداشتیں، خط نگاری، مثنوی، مخمس، وغیرہ شامل ہیں۔

اس مقالے کا موضوع سخن چوں کہ اردو تحقیق ہے، اس لیے براہ راست اس پر بات کرتے ہیں۔گزشتہ پچاس سال سے تیز رفتار ترقی کی وجہ سے انسانی معاشرے، انسانی رویوں اور بین الاقوامیت میں کئی طرح کی انقلابی تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں۔ان تبدیلیوں نے بعض انسانی و ادبی علوم کو بھی کافی حد تک متاثر کیا ہے۔اس تناظر میں تبدیلیوں کی ماہیت اور اصل کو سمجھے اور جانے بغیر بعض لوگوں نے ہر صنف ادب میں ان معاشرتی و انسانی تغیرات

کے اثرات ڈھونڈنے شروع کر دیے۔ اس کے نتیجے میں بعض اصناف ادب پر ایسے مبینہ اثرات کا مطالعہ کارلا حال ثابت ہوا۔ انہی اصناف بھی تحقیق بھی آتی ہے۔

جدید دور کے تغیرات اور مسائل سے ادب کے متاثر ہونے کے پہلو پر جن صاحبان علم نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے، انہوں نے تحقیق پر بھی اسی تناظر میں اپنے خیالات کا پرچار کیا ہے۔ ایسی کچھ تحریروں، کچھ زبانی روایتوں، حکایتوں، شکایتوں اور کچھ ذاتی مشاہدات کی مدد سے میں نے جدید اور تیز رفتاری سے تبدیل ہونے والے اس ترقی یافتہ دور میں اردو تحقیق کے کچھ مسائل، اس پر اعتراضات، ان کے بارے میں اپنے خیالات اور کسی حد تک ممکنہ حل پر بھی روشنی ڈالنے کی سعی کی ہے۔

زندگی کی تیز رفتار ترقی نے ہمارے معمولات اور زندگی کی دوڑ دھوپ کی رفتار پہلے سے کہیں تیز کر دی ہے۔ جو کام آج سے نصف صدی قبل ہفتوں میں انجام دیا جاتا تھا، آج تیز رفتار ترقی کے باعث دنوں، بلکہ بعض اوقات گھنٹوں میں انجام پا جاتا ہے۔ انسانی تاریخ گواہ ہے کہ جیسے جیسے دنیا میں انسانوں کی تعداد بڑھتی گئی اور آبادی میں اضافے کے ساتھ مسائل بھی بڑھنے لگے، تیسے تیسے ترقی کا پہیا بھی اسی رفتار سے تیز ہوتا گیا۔ موجودہ دور میں یہ تیز رفتاری اس قدر زیادہ ہو چکی ہے کہ انسانی و معاشرتی اور ادبی علوم اس کے مقابلے میں بہت پیچھے رہتے نظر آتے ہیں۔

آج سے چار پانچ دہائیاں قبل افراد کے پاس اپنے معاشرے اور اردگرد کے لئے کچھ نہ کچھ وقت ضرور ہوتا تھا۔ سنیما، تھیٹر، سیرگاہیں اور کتب خانے افراد کی تفریح طبع کے معروف اور مقبول ذرائع ہوتے تھے۔ کتب بینی اور ادب شناسی کے ثبوت کے طور پر ہر گھر میں چھوٹا موٹا کتب خانہ یا ذخیرۂ کتب لازمی ہوتا تھا۔ تازہ تخلیقی و غیر تخلیقی کتابیں، ادبی و غیر ادبی رسائل اور اخبارات شائع ہوتے تھے اور مطالعے میں آتے تھے۔ علمی و ادبی سرگرمیاں اور مشاعرے جگہ جگہ منعقد ہوتے اور عام اذہان کو ادبی ذوق سے بہرہ ور کرنے میں اپنا کردار ادا کرتے تھے۔ اس ماحول میں ادبی، تنقیدی، تحقیقی اور علمی بحثیں اور مباحثے ہوتے تھے۔ ایسے ماحول میں صحت منداور معیاری تحقیق اور تنقید کے لئے مواقع بھی پیدا ہوتے تھے۔ تحقیقی و تنقیدی تحریروں کو وقعت حاصل ہوتی اور تحقیق اور تنقید پر اعلا پائے کا علمی سرمایہ وجود میں آتا تھا۔

رفتہ رفتہ زندگی کے معمولات میں اور ترقی کی رفتار میں تیزی کے ساتھ ساتھ جذبات و احساسات اور ان سے جڑے تخلیقی و غیر تخلیقی ادب کی اہمیت کم ہوتی چلی گئی۔ پہلے آدمی کو انسان بنانے کے لئے ادب اور علم کو بنیادی حیثیت حاصل تھی، پھر انسان کی قدر کم ہوئی تو اس کی جگہ مشین نے لے لی: جذبات و احساسات سے عاری، ایک معین اور پابند زندگی کی عامل مشینی زندگی اور ظاہر ہے کہ معین اور پابند معمولات و خیالات، ادب کی نفی کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے گزشتہ تین دہائیوں میں ادب کی بعض اصناف پر زوال کے آثار نظر آنے لگے یا محسوس ہونے لگے یا ان میں معیاری ادب تخلیق ہونا کم ہو گیا۔ یا ان میں تخلیق ہونے والے ادب کا معیار اتنا گر گیا جتنا ان تین دہائیوں میں

انسان کا معیار گر گیا ہے۔اس صورت حال نے تخلیقی اصناف (فکشن،غزل،نظم،وغیرہ) کو تو نئی دنیاؤں سے آشنا کر دیا۔لیکن غیر تخلیقی اصناف (خصوصاً تحقیق اور تنقید) کی اہمیت کم کر دی۔تنقید نے ان حالات میں اپنے لئے سماجی علوم کا سہارا ڈھونڈ لیا اور اس کے نتیجے میں انہوں نے اسے فلسفہ،لسانیات،معاشیات،سیاسیات،وغیرہ کے ساتھ خلط ملط کر کے نئی تنقیدی شعبدہ بازیاں ایجاد کر لیں لیکن اس صورت حال میں سب سے زیادہ متاثر ہونے والی صنف ادب تحقیق ہے۔

تحقیق میں جس طرح کی خصوصیات درکار ہیں یا محقق میں جن خصوصیات کا ہونا لازمی ہے،ان میں صبر، تحمل،صحت،استناد اور بنیادی مآخذ تک رسائی جیسی صفات شامل ہیں جنہیں عام طور پر موجودہ تیز رفتار ترقی میں زیادہ اہمیت حاصل نہیں۔تحقیق کا عمل صبر اور تحمل کا تقاضا کرتا ہے،کیوں کہ تحقیقی عمل میں مآخذ تک رسائی،ان میں موجود شواہد کی جمع آوری،پھر ان شواہد کی چھان پھٹک،ان سب کے باہمی تعلق اور دلائل کی مدد سے نتیجہ اخذ کرنے تک کا عمل،تحقیق کا لازمی عمل ہے۔یہ عمل پلک جھپکنے میں یا آناً فاناً وقوع پذیر ہونے والے حادثات یا اتفاقات کے بالکل اُلٹ ہے۔کئی بار ایسا ہوتا ہے کہ کسی ایک یا دو مآخذ کی تلاش اور حصول میں بہت سا وقت درکار ہوتا ہے اور ان مآخذ کی غیر موجودگی میں کوئی مستند اور قابل اعتبار تحقیقی نتیجہ اخذ کرنا ممکن نہیں ہوتا،اس لئے اس یا ان مآخذ کے حصول کے سلسلے میں بڑی کوشش کی جاتی ہے اور اس میں بعض اوقات خاصا وقت صرف ہو جاتا ہے۔

بعض اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ کافی وقت گزرنے اور کافی تگ و دو کرنے کے بعد جب مطلوبہ مآخذ یا مآخذ دست یاب ہوتے ہیں تو ان کے مطالعے و مشاہدے سے اندازہ ہوتا ہے کہ متعلقہ موضوع پر مزید ایک یا زائد مآخذ درکار ہیں جن سے استفادہ کئے بغیر تحقیق اور تحقیقی عمل مکمل نہیں ہو سکتا۔کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ تحقیق مکمل ہونے اور تحقیقی عمل کے نتیجے میں نتیجہ یا نتائج اخذ کر لینے کے بعد کوئی ایسا ماخذ یا مآخذ دست یاب ہو جاتے ہیں جن کی روشنی میں نتائج تبدیل ہو جاتے ہیں اور اب تک کی گئی ساری تحقیق رد کرنی پڑ جاتی ہے ان تازہ مآخذ کی مدد سے محقق نئے سرے سے تحقیق کرنے کا ڈول ڈالتا ہے ان نئے سرے سے تحقیقی عمل انجام دیتا ہے۔اس کی سب سے اچھی مثال رشید حسن خاں کے مرتبہ قصے ''فسانۂ عجائب'' کی ہے۔وہ اس کا متن مرتب کر چکے تھے،متن پر حواشی،تشریحات اور مقدمہ بھی تحریر کر چکے تھے کہ انہیں ''فسانۂ عجائب'' کی ابتدائی اشاعتوں میں سے وہ اشاعت دست یاب ہو گئی جو اس سے قبل کوشش کے باوجود انہیں حاصل نہ ہو سکی تھی،چناں چہ اس اشاعت کا نسخہ ملنے کے بعد انہوں نے نئے سرے سے متن مرتب کیا انہوں اس پر لکھے گئے حواشی،تشریحات اور مقدمے میں ضروری اضافے اور ترمیمات کیں۔

اسی طرح تحقیق کے استناد اور تحقیقی عمل کی مکمل صحت بھی صبر و تحمل مانگتی ہے۔تحقیقی عمل کی صحت،بنیادی و ثانوی مآخذ کے درست استعمال اور استخراج نتائج تک کے مراحل تحقیقی اصولوں کے مطابق کامریاب انجام دہی سے مشروط ہے۔اس عمل کے بعد جو تحقیقی نتیجہ یا نتائج برآمد ہوتے ہیں،انہی کو استناد کا درجہ حاصل ہے۔اور یہ تمام عمل وقت طلب ہے۔قاضی عبدالودود نے اس عمل کے برعکس رویے کی تفہیم کے لئے ''کاتا اور لے دوڑی'' کی

اصطلاح استعمال کی ہے اور بتایا کہ تحقیق کا عمل چٹ پٹ انجام دینے کی خواہش غیر تحقیقی رویے کی نشان دہی کرتی ہے۔انہوں نے اور رشید حسن خاں نے ایسے کئی "تحقیقی" کاموں کا کڑا احتساب کیا جن میں تحقیقی عمل کی اسی خامی کی وجہ سے غلط غیر مستند تحقیق نتائج اخذ کئے گئے تھے۔

تحقیق۔مستند اور خالص تحقیق اور تحقیقی عمل کی انجام دہی میں جس قدر وقت کی ضرورت ہے، آج کے تیز رفتار دور میں اتنا وقت نکالنا بہت مشکل ہے۔اسی لئے تحقیق کے نام پر گذشتہ تیس چالیس برس میں جو کام اور تحریریں سامنے آئی ہیں، ان کی بیش تر تعداد ژرف نگاہی اور تحقیقی عمل سے خالی اور غیر مستند حیثیت کی حامل ہے۔جدید دور کی تیز رفتار ترقی اور مسابقت کی دوڑ نے تحمل، بردباری، صبر اور تحقیق کے دقیق اور وقت طلب عمل کے مثبت احساس کی اہمیت کم کرنے میں بڑا کردار ادا کیا ہے۔اس کا منفی اثر یہ ہوا کہ زمانے کی تیز رفتاری کا ساتھ دینے کی خاطر طویل تحقیقی عمل سے گریز کیا جاتا ہے اور اس کے نتیجے میں کم زور تحقیق کو گوارا کر لیا گیا ہے۔

زمانے کی تیز رفتاری کا ساتھ دینے اور غیر علمی رویوں کے اقتدار نے صرف تحقیق ہی پر نہیں، علم کے بہت سے شعبوں پر منفی اثرات چھوڑے ہیں۔تحقیق کے ساتھ ساتھ خالص تنقید کو بھی اس طرز فکر و عمل سے بڑا نقصان پہنچا ہے۔علوم، اور خاص کر تحقیق اور تنقید، جس گہرے غور و فکر اور ذہنی ورزش کا تقاضا کرتے ہیں، موجودہ ترقی یافتہ دور میں ان کی واقعی اہمیت کم ہوتی جا رہی ہے۔ان کی جگہ مادیت اور مادی و فلسفیانہ نظریات نے لے لی ہے۔اسی وجہ سے دیگر علوم کی طرح تحقیق اور تنقید کا معیار بھی پہلے جیسا نہیں رہا۔

جدید دور میں تحقیق کا ایک اور بڑا مسئلہ جامعات میں ہونے والی تحقیق ہے۔اس مسئلے کے دو پہلو ہیں اور بہ وجوہ دونوں پہلو انفرادی طور پر بھی بڑے اہم ہیں۔ایک پہلو تو یہ ہے کہ جامعات میں جو سندی تحقیقی مقالات تحریر کئے جاتے رہے ہیں اور اب بھی لکھے جا رہے ہیں ان میں تحقیقی اصولوں کی پاس داری کرنے یا کرانے پر توجہ کم ہی دی جاتی ہے۔تحقیق ایک عملی اور خود کار نظام علم کی نمائندگی کرتی ہے اس لئے اس کے تقاضوں کو پورا نہ کرنے سے وہ مقاصد حاصل نہیں ہو سکتے جن کے لئے اسے استعمال میں لایا جا رہا ہے۔جامعات میں جو تحقیقی مقالے لکھے جاتے ہیں، ان میں عام طور پر تحقیقی اصولوں کی پاس داری نہ کرنے یا نہ کر سکنے کی چند وجوہات ہیں جن میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

(ا) ایک بنیادی وجہ نگران مقالہ یا استاد کے تحقیقی ذوق کا نہ ہونا ہے۔یہ بالکل واضح ہے کہ جامعات کے سندی مقالات میں نگران مقالہ کی حیثیت مرکزی ہوتی ہے۔مقالے کے عنوان سے لے کر اس کی جلد بندی تک کے مراحل نگران کار ہی کے مشورے، بلکہ بہت صورتوں میں حکم، ہی سے انجام پاتے ہیں۔اگر نگران کار تحقیق کا ذوق رکھتا ہے تو وہ مقالے کی تحریر کے دوران تحقیقی مراحل طے کرنے میں طالب علم کی نہ صرف راہ نمائی کا فریضہ انجام دے سکتا ہے بلکہ مقالے کو تحقیق کا اچھا نمونہ بنانے میں بھی مدد دے سکتا ہے لیکن اگر نگران کار خود ذوق تحقیق سے بے بہرہ ہے تو مقالے میں تحقیقی اصولوں کی نہ تو پیروی کرانے میں دل چسپی رکھے گا اور نہ تحقیقی عمل اور

مراحل میں طالب علم کو مناسب راہ نمائی دینے کا فریضہ انجام دے سکے گا۔

یہ امر اظہر من الشمّس ہے کہ فی زمانہ تحقیق کا زیادہ کام جامعات میں انجام پا رہا ہے۔ آج سے تیس سال قبل تک جامعات میں تحقیقی مقالات محدود تعداد میں لکھے جاتے تھے۔ تب عام طور پر صرف دو سطحوں: ایم اے، پی ایچ ڈی۔ کے سندی مقالات تحریر کئے جاتے تھے، پھر پاکستان میں ۲۰۰۳ء سے ایم اے اور پی ایچ ڈی کے درمیان ایم فل کا سندی مقالہ تحریر کیا جانا لازمی قرار دیا گیا، تب سے ایک طالب علم عام طور پر ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کے مقالات تحریر کرتا ہے۔ ڈی لٹ کا تعلق اس قبیل سے نہیں ہے کہ اس میں کوئی تحقیقی مقالہ تحریر نہیں کیا جاتا، بلکہ پہلے سے کتابی صورت میں شائع شدہ کسی تحقیقی یا تدوینی کام کو ڈی لٹ کی سند حاصل کرنے کے لئے پیش کیا جاتا ہے۔

(ب) جب سے ایم فل اور پی ایچ ڈی کی سند کے ساتھ مالی مفاد وابستہ ہوا ہے، تب سے اُردو تحقیق کو دو طرح کے نقصانات اٹھانے پڑے ہیں: اول تو یہ کہ ہر اس شخص کو ''تحقیقی'' مقالہ لکھنے پر سند سے نوازا جانے لگا جس کی طبیعت اور تحریر میں تحقیق کا دور دور تک کوئی سراغ نہیں ملتا۔ تحقیقی اعتبار سے کم زور افراد اپنی صلاحیتوں سے بھی بڑے ''تحقیقی مقالات'' لکھنے لگے اور ان پر انہیں ایم فل اور پی ایچ ڈی کی سندیں بھی عطا ہونے لگیں۔ اس سے غیر تحقیقی مزاج کی حامل ''تحقیقی'' تحریریں لکھنے کے رجحان کو تقویت ملی، رہی سہی کسر ایچ ای سی (HEC- ہائیر ایجوکیشن کمیشن) سے منظور شدہ جامعات کے تحقیقی مجلّات نے پوری کر دی۔

ان مجلّات نے تحقیق کے نام پر غیر تحقیقی تحریروں کو شائع کرنے اور ان پر مالی انعامات وصول کرنے کا پلیٹ فارم مہیا کیا۔ ان دونوں رویوں اور آسانیوں نے مادیت پسندوں کو تحقیق اور تحقیقی مقالات کی آڑ میں کھل کھیلنے کا پورا پورا موقع فراہم کیا۔ اس کے نتیجے میں انفرادی تحقیق کرنے کے رجحان پر شدید ضرب لگی اور تحقیقی کاموں کو بھی منفعت زر کی خاطر انجام دینے کا رجحان جڑ پکڑ گیا۔ یہ صورت حال ''نہ پائے رفتن، نہ جائے ماندن'' کے مصداق ہے کہ غیر سندی یا انفرادی تحقیق کا معیار گرا اور سندی تحقیق کا کوئی معیار ہی نہیں رہا۔ سندی مقالات کو منفعت زر سے جوڑنے کے یہ نقصانات ناقابل تلافی ہیں۔

(ج) جامعات میں لکھے جانے والے سندی مقالات کے تحقیقی نہ ہونے کی تیسری بڑی وجہ خود طالب علموں کا بے ذوق ہونا یا ذوق تحقیق سے بے بہرہ ہونا ہے۔ ظاہر ہے کہ سندی مقالہ طالب علم یا تحقیق کار نے تحریر کرنا ہے۔ نگران مقالہ زیادہ سے زیادہ مآخذ کی نشان دہی اور تسوید مقالہ میں راہ نمائی کرتا ہے یا تحقیقی اصول و ضوابط پر کاربند رہنے میں مقالہ نگار کی مدد کرتا ہے۔ مقالہ لکھنے کا کام بہر حال تحقیق کار یا طالب علم ہی کو انجام دینا ہوتا ہے۔ ایسے میں تحقیق کار کا ذوق تحقیق سے متصف ہونا ضروری ہے۔ تحقیق کار اگر تحقیقی تقاضوں اور تحقیقی عمل سے بے بہرہ ہے تو نگران کار کی لاکھ راہ نمائی کے باوجود اس کے مقالے میں معیاری تحقیق کے نمونے نہیں مل سکیں گے۔ اگر وہ تحقیق کا ذوق رکھتا ہے اور تحقیقی اصول وضوابط و عمل سے کما حقہ، واقفیت بھی رکھتا ہے تو اپنے مقالے کی تسوید تحقیقی

اصولوں کے مطابق کرے گا جس سے اس کے تحریر کردہ مقالے میں تحقیقی شان پیدا ہوگی۔

گزشتہ تیس سال میں سندی مقالات کی بھرمار نے یہ امتیاز ختم کرنے میں بڑی مدد دی ہے کہ کن کن مقالات میں واقعتاً تحقیقی اصول وضوابط اور تحقیقی عمل کی پابندی کی گئی ہے اور کن کن میں نہیں۔ ایسے مطالعے اور تجزیے کے نتیجے میں نتائج یقینی طور پر غیر تحقیقی طرزِ عمل کے حق میں نکلیں گے۔ اس بھیڑ چال اور تحقیقی اصولوں سے بے اعتنائی کے طرزِ عمل نے تحقیق اور عملِ تحقیق کی واقعی اہمیت گھٹا دی ہے۔ چناں چہ سُستی، کاہلی اور مالی منفعت نے گہرے، خالص اور مستند تحقیقی کاموں کی ضرورت سے ہمیں بے نیاز کر دیا ہے۔ یہ رویہ بھی اردو تحقیق کے لئے ایک بڑا مسئلہ ہے۔

اسی کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ ہم سندی مقالات کو تحقیقی کہنے پر مصر ہیں تو اسی طرح ہم نے خود پر یہ کیوں فرض عائد کر لیا ہے کہ ایچ ای سی سے منظور شدہ مجلّات میں شائع ہونے والی ہر تحریر کو تحقیقی کہا جائے؟ ہم میں سے شاید ہی کوئی اس سے انکار کر سکے کہ جامعات میں لکھے جانے والے سندی مقالات میں سے اور منظور شدہ مجلّات میں شائع ہونے والے مضامین و مقالات اکثر و بیش تر تحقیقی نہیں ہوتے۔ اس کے باوجود ہم ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان تمام مقالات اور تحریروں کو Research Article (تحقیقی مقالہ) کہنے سے نہیں چوکتے۔ کیا اس کا تعلق ہماری مجموعی معاشرتی منافقت اور بے حسی سے ہے یا یہ ساری دو عملی ہم مادیت اور مالی منفعت کے نام پر گوارا کرتے جا رہے ہیں؟ اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ہم معاشرتی اور قومی سطح پر شدید احساس کم تری کا شکار ہیں۔ ہم خود اپنی اقدار، علمیات، عقل و شعور، ادبیات، تاریخ، زبان اور قواعد وضوابط کو مستند نہیں سمجھتے۔ بلکہ انہیں اس قابل بھی نہیں گردانتے کہ یہ ہماری پہچان کا ذریعہ بن سکیں۔ اس کے مقابلے میں ہم مغرب سے درآمدہ ہر رویے، اصول، زبان، فلاسفہ اور نظریات کو بڑے فخر کے ساتھ اپنانے میں اپنی شان دکھاتے ہیں۔ ہماری جامعات کی تحقیقی سرگرمیوں اور تحقیق کے نام پر اصول وضوابط بھی مغرب سے درآمد شدہ ہیں اور ہم بڑی شد و مد کے ساتھ ان پر عمل کرنے کا پرچار کرتے ہیں اس سب کے باوجود، یل کہ ان اس کے نتیجے میں تحقیق، علم، اور سائنس کے میدان میں تیز رفتار ترقی اور خودداری کے اعلیٰ درجات پر فائز ہونے خواب دیکھتے رہتے ہیں۔

اُردو، فارسی، عربی کا اپنا ایک طریقِ تحقیق ہے اور صدیوں سے ہمارے ہاں رائج ہے۔ اسی سے جڑے تحقیق کے اصول بھی ہیں۔ اردو میں جدید تحقیق کی تاریخ سو سال پرانی ہے۔ ان سو برسوں میں اردو تحقیق نے انہی اصول وضوابط کی مدد سے تحقیق کے بڑے اعلیٰ نمونے نے دنیا کے سامنے پیش کئے ہیں لیکن اب مغرب سے مرعوبیت اور اپنے احساس کم تری سے ہمیں اپنے اصولوں اور علم کو پیش پا افتادہ سمجھنے پر مجبور کر دیا ہے اس کی جگہ ہم مغرب میں تحقیق کے وہ اصول اپنے ہاں نافذ نے پر بضد ہیں جن کا مزاج اور ضابطے ہماری تہذیب، طبیعت اور ادبیات کے ساتھ مطابقت پیدا نہیں کر سکتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم مغرب کا انداز بھی نہ اپنا سکے اور اپنا انداز بھی بھول گئے۔ ''کوا چلا ہنس کی چال، اپنی چال بھی بھول گیا''۔

اس کے نتیجے میں اردو میں جو تحقیق منظر عام پر آ رہی ہے وہ ظاہری اصول وضوابط کی کھتونی بن کر رہ گئی ہے، تحقیق عمل اور تحقیقی کی روح اس میں سے نکل چکی ہے۔ جامعات کے سندی ''تحقیقی'' مقالات اور ایچ ای سی کے منظور شدہ مجلّات کے ''تحقیقی'' مقالات میں حوالہ نگاری، حواشی، اقتباسات، کتابیات، ابواب بندی، پیرا گراف سازی اور جدید (بے روح) ''تحقیقی'' اصطلاحات کے استعمال ہی کو تحقیق کا قائم مقام جان لیا گیا ہے۔ نگران اور مقالہ نگار کی کوشش ہوتی ہے کہ مندرجہ بالا رسومیات کو مقالے میں اچھی طرح استعمال کر لے تو اس کا کام پورا ہو جائے گا، تحقیقی عمل اور مآخذ کے مناسب استعمال کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم سندی مقالات اور منظور شدہ جرائد میں شائع ہونے والے مقالات پر خواہ مخواہ ''تحقیق'' کا لیبل نہ لگائیں، بلکہ حقیقت کا سامنا کرتے ہوئے انہیں زیادہ سے زیادہ علمی مقالات کہنے اور لکھنے کا پابندی کریں۔ تحقیقی مقالات صرف انہی کو کہا اور لکھا جائے، جنہیں ان مقالات کی جانچ کرنے والے بیرونی محققین (عام استاد یا پی ایچ ڈی یا ادیب نہیں) تحقیقی مقالہ قرار دیں اور اپنی تحریری سند میں اس کے تحقیقی ہونے یا نہ ہونے کی وضاحت بھی کریں۔ تحقیق کے نام پر غیر تحقیقی بلکہ بعض مثالوں میں غیر علمی بھی، مقالات کی بھرمار نے تحقیق کو بدنام کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ایچ ای سی کو چاہیے کہ جامعاتی اور منظور شدہ جرائد کے تمام مقالات کو تحقیقی (Research Thesis and Rescarch Articles) قرار نہ دیا جائے، بلکہ ایسے سندی و منظور شدہ مقالات کو تین واضح زمروں میں تقسیم کیا جائے، تحقیقی، تنقیدی اور علمی۔

یہ سب پر واضح ہے کہ جامعاتی سندی اور منظور شدہ (ایچ ای سی کے منظور شدہ جرائد میں شائع ہونے والے) مقالات کا غالب حصہ غیر تحقیقی موضوعات پر مشتمل ہوتا ہے۔ جن موضوعات پر تحقیقی ہونے کا شائبہ ہوتا ہے، اُن مقالات کا بھی تحقیق سے دور دور تک کا کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ محض سنین و واقعات، شخصیات، کتب و رسائل سے متعلق معلومات جمع کر دینا کسی طور بھی تحقیق نہیں کہلا سکتی۔ تحقیق ایک منضبط اور معروضی تجزیاتی عمل کا نام ہے جس میں شواہد اور حقائق کو چھان پھٹک کر غیر جانب دارانہ اور معروضی تحقیقی عمل کے ذریعے نتائج حاصل کیے جاتے ہیں۔ اردو میں جامعاتی سندی اور منظور شدہ مقالات کا جائزہ لینے پر یہ حقیقت سامنے آ جاتی ہے کہ ان مقالات میں ننانوے فی صد مقالات اس تحقیقی عمل سے خالی ہوتے ہیں اور ان میں کسی بھی مقام پر، کسی بھی طرح کا، کوئی تحقیقی نتیجہ تک نہیں نکالا جاتا۔ اس کے باوجود ایچ ای سی سمیت تمام جامعات، اساتذہ، طلبہ اور متعلقہ افراد ان مقالات کو ''تحقیقی'' ہی کہتے ہیں۔ موجودہ دور میں تحقیق کے لئے یہ مسئلہ سب سے بڑا ہے۔ چونکہ تحقیق کے نام پر یہ گورکھ دھندا سرعام اور پورے پاکستان میں زور وشور سے جاری ہے اس لئے اب عام طور پر جامعاتی سندی اور منظور شدہ مقالات کو تحقیقی ہی کہا جاتا ہے، چاہے ان کے مواد، موضوع اور طریق کار میں تحقیق کا دور دور تک پتا نہ ہو۔

موجودہ دور میں تحقیق کا ایک بڑا مسئلہ جدید ادبی وغیر ادبی نظریات کا جبر اور ان سے مرعوبیت ہے۔ ادب اپنے کردار میں ہمیشہ مضبوط ہوتا ہے۔ وہ اور اس کی مختلف اصناف بدلتے حالات اور پیش آئندہ واقعات سے متاثر

ضرور ہوتی ہیں لیکن کسی نظریے، شخصیت، تاریخ اور حالات سے مرعوب کبھی نہیں ہوتیں۔ بدقسمتی سے موجودہ دور میں ہمارے کچھ اہل قلم مغرب کے ان ادبی وغیر ادبی نظریات سے بری طرح مغلوب ومرعوب ہو گئے ہیں جنہیں ان کی اصل اور طریقۂ کار کی نامعقولیت کے سبب پاکستانی معاشرے اور ادب میں کبھی بار نہیں مل سکا اور نہ مل سکتا ہے۔ ہر علاقے اور ہر زمانے کے ادب کی ایک ثقافت ہوتی ہے اور ہر زبان کے ادب کی تاریخ ہمیں یہی بتاتی ہے کہ وہی حالات، نظریات، اصناف اور خیالات کسی ادب میں قابل قبول ہوتے ہیں جو اس زمانے اور اس علاقے کے ادب کی ثقافت سے مطابقت رکھتے ہیں۔ اس کے سوا کسی بھی ادبی وغیر ادبی نظریے، صنف وغیرہ کو زبردستی رواج دینے اور نافذ کرنے کی کوششیں ادبی ثقافت کو نقصان تو پہنچا سکتی ہیں لیکن اس کے لئے کوئی مثبت کردار ادا نہیں کرسکتیں۔

بدیسی نظریات وخیالات کی مدد سے اپنی ادبی ثقافت کی روح کے مطابق اپنے ادبی نظریات تخلیق کرنا اور ادبی اصناف کو نئے ابعاد سے روشناس کرانا ہی اصل کام ہے لیکن افسوس کہ حالی وعسکری کے بعد یہ کسی سے ممکن نہ ہو سکا۔ گزشتہ پچاس سال سے ہم ادبی نظریات تخلیق کرنے یا بدیسی ادبی وغیر ادبی نظریات میں اپنی ادبی ومعاشرتی ثقافت کے مطابق اضافے کرنے میں بری طرح ناکام ہوئے ہیں۔ اس کا سادہ سا حل ہم نے یا ہمارے کچھ اہل قلم نے یہ ڈھونڈ لیا ہے کہ اپنی ناکامی کو چھپانے کے لئے بدیسی نظریات سے مغلوب ومرعوب ہونے اور اردو ادب کو مغلوب کرنے کی روش اختیار کی جائے۔ یوں بگلے کی طرح ہم اپنی گردنیں مغربی یا بدیسی نظریات کے پروں میں چھپا کر مطمئن ہو جاتے ہیں۔

اس غیر فطری اور نامناسب روش نے اردو تنقید کو سب سے زیادہ نقصان پہنچایا ہے۔ اردو تحقیق کے راستے میں بھی اس نے کانٹے بکھیرنے کی کوششیں کی ہیں۔ بدیسی ادبی نظریات سے مغلوب اہل قلم نے تنقید کے ساتھ تحقیق کو بھی آلودہ کرنے کی کوششیں تو کی ہیں لیکن مقام شکر ہے کہ اردو محققین اس پراپیگنڈے میں نہیں آئے۔ اس سے یک گونہ اطمینان بھی ہوتا ہے کہ علوم وادبیات اور اصناف ادب اپنے اصول وضوابط اور حدود پر سختی سے کاربند ہیں (خاص طور پر اردو تحقیق)، اس لئے کوئی بدیسی نظریہ اپنی پوری قوت کے ساتھ حملہ آور ہو کر بھی اسے اور انہیں مغلوب یا مرعوب نہیں کر سکا اور نہ کر سکتا ہے۔

اردو کے بعض اہل قلم نے جدید مغربی نظریات سے مرعوب ہو کر اردو تحقیق میں تبدیلیاں کرنے اور اس کے عمل پر کاری ضرب لگانے کی کوششیں کیں۔ انہوں نے ''جدید تحقیق'' کی اصطلاح گھڑ کر اسے علم تحقیق کے برابر لا کھڑا کرنے کی تجویز پیش کی اور خود ہی سماجی علوم اور جدید شعبدہ جاتی ادبی نظریات کے بل پر اس ''جدید تحقیق'' کا طریق کار بھی طے کر دیا۔ اس پراپیگنڈے کا ایک مقصد خالصتاً ذاتی مفادات پورے کرنے کی مذموم کوشش کرنا ہے۔ گزشتہ کم وبیش تیس برس سے اس موضوع پر کچھ پراپیگنڈائی تحریریں اور کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں۔ یاد رہے کہ میں نے اوپر اسی امر کی نشان دہی کی ہے کہ اردو تحقیق پر ظاہری زوال کے آثار بھی عام طور پر گزشتہ تیس برس ہی کے دوران دیکھنے میں آئے ہیں۔ اس کم زوری کا فائدہ اٹھا کر ان اہل قلم نے یہ پراپیگنڈائی مہم شروع کی اور تحقیق

کو بدنام کرنے کی کوشش کی۔

ان اہل قلم نے تحقیق اور تحقیقی عمل کو جس طرح متاثر کرنے کی ناکام سعی کی، اس کا اثر زیادہ شدت کے ساتھ اس لئے سامنے نہیں آ سکا کہ تحقیق اور محققین بڑے مضبوط کردار کے مالک ہیں۔ تحقیق کے کردار اس کے وہ اصول طے کرتے ہیں جن کی موجودگی علم تحقیق کی گرد حصار کا فریضہ انجام دیتی ہے اور اس کو تقویت بھی پہنچاتی ہے۔ تحقیق کے بنیادی اصول چوں کہ اس کی غیر جانب داری اور معروضیت پر قائم ہیں، اس لیے ان میں تبدیلی کرنا اور انہیں متاثر کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ اس کے مقابلے میں دیگر تخلیقی و غیر تخلیقی اصناف میں چوں کہ لکھنے والے بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر اثر انداز ہوتے ہیں، اس لئے ان علوم و اصناف کے اصول، تحقیق کی طرح سخت گیر اور غیر جانب دار نہیں، چناں چہ ان میں تبدیلی یا اضافے ممکن ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ گزشتہ تقریباً تیس سال سے پراپیگنڈا کیے جانے کے باوجود تحقیق کو نہ متاثر کیا جا سکا اور نہ اس کی ذات و صفات کو نقصان پہنچ سکا۔

جدید شعبدہ جاتی علوم کے ''ماہرین'' نے وقتاً فوقتاً تحقیق پر دندان آز تیز کرنے کی جو کوششیں کیں، ان کا کچھ اندازہ ذیل کے اقتباسات سے لگایا جا سکتا ہے:

> ''تحقیق ہمیشہ منطقی اور معروضی معیارات پر مبنی ہوتی ہے۔ محقق اس میں اپنی ذات کو شامل نہیں کرتا۔ وہ اپنے تعصّبات اور دل چسپیوں کو بالکل الگ تھلگ رکھتا ہے۔ اگر تحقیق میں ذرّہ برابر بھی شائبہ ہو کہ محقق تعصب سے کام لے رہا ہے یا اپنی پسند کے نظریے کو آگے بڑھا رہا ہے تو اس کی ساری تحقیقی محنت اکارت جائے گی۔۔۔ وہ تحقیقی کام خالصتاً معروضی عمل ہے۔ اس میں کسی نوعیت کے جذبات کا دخل بالکل قبول نہیں کیا جا سکتا۔۔۔ اس عمل میں اس کی ذات بالکل الگ ہوتی ہے''۔[۱]

> ''تحقیق تو نئے حقائق اور نتائج دریافت کرنے کا نام ہے جس میں تصورات کی نئی تعبیر کی جاتی ہے، نئے اُفق سامنے لائے جاتے ہیں''۔[۲]

> ''حقیقت یہ ہے کہ حقائق کی تلاش تو تحقیق کا اولین مرحلہ ہے۔ حقائق معلوم کرنے کے بعد جب تک تحقیق ان کی تعبیر پیش نہیں کرتا، تحقیق کا کردار ادھورا رہتا ہے۔ گویا اس وقت ہماری تحقیق ادھوری ہے اور اسی ادھورے پن کے باعث بصیرت سے محروم ہے۔ تحقیق کی صحیح جہت یہ ہے کہ تحقیق، حقائق (Facts) سے نظریے (Theory) کی طرف سفر کرے۔ گویا تحقیق دوسری منزل پر آ کر ایک نظریہ بھی تخلیق کرتی ہے......لہٰذا جدید اردو تحقیق کے ذیشان کی بنیاد جس نظریے پر قائم ہوتی ہے، وہ حقائق (Facts) سے نظریئے (Theory) کی طرف سفر ہے۔ حقائق کے تجزیاتی

اور تنقیدی جائزے سے نتائج کا اخذ کرنا ضروری ہے۔ نتائج کے بغیر تحقیق کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، لہٰذا تحقیق کا تنقیدی ہونا ضروری ہے۔ تحقیق پر اس سے زیادہ جبر اور کوئی نہیں ہوسکتا کہ اسے تنقیدی توضیح وتشریح، تعبیر اور نتائج کی جہت سے یک سر محروم کر دیا جائے۔ اردو کے نئے محققین کا یہ فرض ہے کہ اردو تحقیق کو حقائق کے اس جبری تشدد سے نجات دالوا (کذا) کر اسے بصیرت افروزی اور نظریہ سازی کی طرف لے جائیں تا کہ اردو تحقیق کو جدید دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ کیا جا سکے''۔۳؎

''ادبی ولسانی تحقیق میں عام طور پر تنقیدی ادعا (Dogma) سے کام لیا جاتا ہے لیکن تحقیق وژن تک پہنچنے کے لئے بہت محنت اور کارگزاری درکار ہوتی ہے جس کی طرف ادبی تحقیق کو ابھی قدم اٹھانا ہے۔ کوئی بھی ادبی تحقیق صرف اس وقت قابل قبول ہو گی جب اسے شائع کر کے معاصر جائزے کے لئے پیش کیا جائے گا اور دیگر اہل علم اس کی توثیق کر دیں گے۔ یہی تحقیق کی اعتبار ہے۔ اس منزل تک پہنچنے کے لئے تحقیق کار کو سکالرشپ یا عالمانہ انتقادی بصیرت تک پہنچنا ہوتا ہے''۔۴؎

''حق یہ ہے کہ تنقید کے لئے موجودہ اردو تحقیق کے پیراڈائم میں کوئی جگہ اس وقت تک پیدا نہیں ہوسکتی جب تک تحقیق کی بنیاد کسی عمرانی، تہذیبی، فلسفیانہ، جمالیاتی سوال پر نہ رکھی جائے اور تاریخی و بیانیہ تحقیق کے متوازی سماجی سائنسوں میں رائج تحقیق سے مدد نہ لی جائے۔ ظاہر ہے اس کے لئے پیراڈائم شفٹ کی ضرورت ہے''۔۵؎

''یہ بات راقم کی نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہی ہے کہ اردو کی ادبی تحقیق (چند ایک مستثنیات کو چھوڑ کر) صرف اس مفہوم میں ادبی تحقیق ہے کہ وہ ادب کی شخصیات، ادوار یا اصناف سے متعلق ہے، ادب کی اس ادبیت سے کوئی رشتہ نہیں رکھتی جس کے بغیر ادب بہ طور نوع قائم ہی نہیں ہوسکتا۔ اصولاً اسے ادبی تحقیق نہیں، ادب کی تحقیق کہنا چاہیے۔ ادبی تحقیق کے لئے موزوں پیراڈائم کا فیصلہ بھی مذکورہ بنیادی سوال کے جواب پر منحصر ہے۔ اس لئے کہ جدا قسم کی تحقیق کے لئے جدا جدا پیراڈائم درکار ہیں''۔۶؎

''واضح رہے کہ ادبی تحقیق، تاریخی اور نفسیاتی تنقید کی طرح سیدھا سادہ معاملہ نہیں۔۔۔سماجی، نفسیاتی، آئیڈیالوجیکل عوامل اور متھ، مہا بیانیے، کلامیے اپنے آپ وجود میں نہیں آتے، سماجی

قوتیں انہیں وجود میں لاتی۔۔ ہیں۔۔۔ادبی تحقیق دراصل ان سماجی قوتوں اور ان کے ضمن میں ادب کے علامتی طرزِ عمل کی نشان دہی کرتا ہے جس کا نتیجہ ایک نئے سماجی علم کی تخلیق کی صورت میں نکلتا ہے''۔ ۷

یہ تمام اقتباسات بلا تبصرہ پیش کئے گئے ہیں۔ان پر تبصرہ کرنا اس تحریر کو خواہ مخواہ طویل کرنا ہے۔ان اقتباسات میں پیش کئے گئے خیالات صاف طور پر اس طرزِ عمل کو واضح کر رہے ہیں جس کے تحت اردو تحقیق میں من چاہے اضافے یا تبدیلیاں کرنے کی کوششیں کی گئی۔ان سب خیالات کے پس پردہ ذاتی مفادات کا مقصد موجود ہے،اس لئے ان خیالات کو تحقیق میں کوئی اہمیت حاصل نہیں۔ان اقتباسات میں پیش کئے خیالات کے سلسلے میں ایک یہی بات کہنا کافی ہے کہ ان میں پیش کئے گئے ''نظریات'' اور ''افکار'' کی بنیاد کسی ٹھوس علمی دلیل یا بنیاد پر قائم نہیں کی گئی۔جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کہ ان کی بنیاد ذاتی مفادات پر رکھی گئی ہے،اس لئے ان میں پیش کئے گئے نظریات وخیالات بھی معقولیت اور علمیت سے خالی ہیں۔

یہاں اس امر کا اظہار ضروری ہے کہ ایسے گم راہ کن اور تحقیق کش خیالات گذشتہ تیس برس سے مسلسل پیش کئے جارہے ہیں تو ان کا جواب کیوں نہیں دیا گیا کیے انہیں رد کیوں نہیں کیا گیا؟ اس لئے کہ اب ہمارے درمیان کوئی قاضی عبدالودود اور رشید حسن خاں موجود نہیں جو مجسم تحقیق اور حق وسچ تھے۔اُردو تحقیق کے ان دونوں بطلِ حریت نے اپنے اپنے دور میں کم زور تحقیق اور اس طرح کی گم راہ کن تحریروں کا کڑا احتساب کر کے اردو تحقیق کے لئے صحت مند ماحول بہم پہنچایا۔ان کی طرح کے مخلص محققین کی غیر موجودگی کی وجہ سے اب گم راہ کن خیالات اور کم زور تحقیق بڑے شد و مد سے پنپ رہی ہے۔

میں نے بڑی تفصیل کے ساتھ موجودہ دور میں اردو تحقیق کو درپیش کچھ بڑے مسائل کا ذکر کیا ہے۔اس تناظر میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ پاکستان (اور بیرون پاکستان بھی) اردو تحقیق کا زیادہ تعلق اب جامعات سے ہے۔جامعات میں مختلف درجات کے سندی مقالات اور ایچ ای سی کے منظور شدہ مجلّات میں شائع ہونے والے مقالات جس قدر بہتات کے ساتھ سامنے آرہے ہیں اور انہیں جس طرح تحقیق سے جوڑ دیا گیا ہے،اپنی غیر تحقیقی روش اور پہچان کی وجہ سے یہ مقالات اردو تحقیق کے لیے ضرر رساں ثابت ہورہے ہیں۔ان کے ذریعے جو ''تحقیق'' پیش کی جارہی ہے،اس کی بنیاد پر اردو تحقیق کا نہایت سطحی تصور عام طور پر قائم ہوتا جارہا ہے۔ضرورت اس امر کی ہے کہ تحقیق کے ساتھ یہ کھلواڑ نہ کیا جائے اور نہ اسے گوارا کیا جائے۔مزید یہ کہ اس روش کے باعث تحقیق پر غلط تصورات کی چھاپ نہ ڈالی جائے۔

جیسا کہ پہلے یہ تجویز پیش کی گئی ہے کہ ایچ ای سی کو چاہیے کہ مذکورہ بالا تمام قسم کے مقالات کو تین زمروں میں تقسیم کر دیں۔،یعنی محض تحقیقی کے بجائے انہیں تحقیقی،تنقیدی اور علمی مقالات میں تقسیم کر دیا جائے۔اگر تنقیدی

(Critical) کہنے اور لکھنے میں کوئی امر مانع ہے تو ایسے مقالات کو علمی یا علمیاتی (Learnerd / Academic) کہا اور لکھا جائے۔اس کا فیصلہ بہر حال بیرونی ممتحن یا جانچ کرنے والے پر چھوڑ دیا جائے اور وہی طے کرے کہ اس نے جو مقالہ جانچا ہے، وہ کس زمرے میں شامل کیے جانے کے قابل ہے۔

ایک فریضہ ہم سب کا ہے کہ جس طرح دیگر علوم واصناف ادب کی تحریروں کو ان کے اصولوں اور حدود کی وجہ سے ممیّز کر کے کسی اور شعبۂ علم یا صنف ادب سے گڈ مڈ نہیں کیا جاتا، اسی طرح صرف انہی تحریروں کو تحقیقی کہا اور مانا جائے جو تحقیق کے اصولوں اور ضابطوں اور ایک باقاعدہ تحقیقی عمل کی حامل ہوں۔

حواشی:

۱۔ تبسم کاشمیری،ڈاکٹر،ادبی تحقیق کے اصول، (اسلام آباد:مقتدرہ قومی زبان،۱۹۹۲ء)ص:۲۶

۲۔ ایضاً،ص:۲۵

۳۔ ایضاً،ص:۳۲۔۳۱

۴۔ عطش درانی، پروفیسر ڈاکٹر،لسانی و ادبی تحقیق و تدوین کے اصول ،(اسلام آباد:نیشنل بک فاؤنڈیشن،۲۰۱۶ء)،ص:۴۱

۵۔ ناصر عباس نیر،ڈاکٹر، اردو تحقیق کے پیراڈائم پر ایک نظر: سماجی سائنسوں کے پیرا ڈائم کی روشنی میں ،(مقالہ)،مشمولہ:''لسانیات اور تنقید'' (مجموعہ مقالات ومضامین مصنف)،(اسلام آباد، پورب اکادمی،نظر ثانی شدہ ایڈیشن/طبع دوم،۲۰۱۴ء)،ص:۲۴۱

۶۔ ایضاً،ص:۲۴۳۔۲۴۲

۷۔ ایضاً،ص:۲۵۵

مآخذ:

۱۔ تبسم کاشمیری،ڈاکٹر،ادبی تحقیق کے اصول، اسلام آباد:مقتدرہ قومی زبان،طبع اول،۱۹۹۲ء

۲۔ عطش درانی، پروفیسر ڈاکٹر،لسانی و ادبی تحقیق و تدوین کے اصول،اسلام آباد:نیشنل بک فاؤنڈیشن،۲۰۱۶ء

۳۔ ناصر عباس نیر،ڈاکٹر، اردو تحقیق کے پیراڈائم پر ایک نظر: سماجی سائنسوں کے پیرا ڈائم کی روشنی میں ''(مقالہ)،مشمولہ:''لسانیات اور تنقید'' (مجموعہ مقالات ومضامین مصنف)،اسلام آباد، پورپ اکادمی،نظر ثانی شدہ ایڈیشن/طبع دوم،۲۰۱۴ء

☆☆☆